حضرت العلامہ مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہ

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

علامہ عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم کے ارشاد اور فضیلۃ الشیخ مولانا سمیع الحق مدظلہ العالی کے سوالنامہ پر چند معروضات سپردِ قلم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اگرچہ علمی رفعتوں سے تہی دامن ہونے کے باعث علمی کیفیت کا تذکرہ یقیناً بے محل بھی ہے اور بے سود بھی۔

پھر جہاں آسمانِ علم و دانش کے نجوم الہدیٰ (علماء کرام) علمی ضوفشانی سے قارئین کے دل و دماغ کو مستنیر کر رہے ہوں اور اپنی خداداد علمی عظمتوں کے روح پرور اور ایمان افروز تذکرہ سے تاریخ کا سنہری باب رقم فرما رہے ہوں۔ مجھ ایسے بے مایہ، ہیچمدان جو وارثانِ علوم نبوت کی گرد راہ ہے، کیا بیان کرے گا۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ تو رب کریم کی وصف "ستّار" کی کرشمہ سازی ہے کہ عیوب کی پردہ پوشی فرما رہا ہے ورنہ ع

من آنم کہ من دانم

البتہ یہ نعمتِ ایزدی بہرحال قابل ستائش اور لائق صد امتنان ہے کہ اس نے حاملینِ قرآن و سنّت کی نقش برداری کی سعادت سے نوازا ہے ؎

گلے خوشبوی در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

امتثالِ امر کے طور پر چند بے کیف معروضات معذرت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں گویا کہ "انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانے کے مصداق عرض پیرا ہوں۔

میرے والد گرامی قدر مولانا محمد شفیع مرحوم و مغفور، قطب دوراں، مفسر قرآن مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہ وال بھچراں، میانوالی کے مسترشد تھے۔ اور مذہبی، تمدنی، معاشی اور معاشرتی ہر اعتبار سے پس ماندہ علاقہ پوٹھوار میں رہائش پذیر تھے۔ والد ماجد کی تربیت نے صراطِ مستقیم پر چلنا مرغوب و محبوب بنا دیا۔ اور

علوم کے حصول کے ذوق سے سرشار بھی کر دیا چنانچہ مڈل تک سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ٹھٹھہ ضلع راولپنڈی سے تعلیم کا آغاز کیا۔ جہاں استاذ العلماء مولانا احمد الدین ایک گمنام مقام پر جلوہ افروز برسوں سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی فیض رسانی میں مصروف تھے۔ موصوف کے ارشد تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا نام نامی اسم گرامی سرِ فہرست ہے۔

اگرچہ موصوف تمام علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے لیکن صرف اور نحو کا اندازِ تعلیم انوکھا بھی تھا اور بے انتہا مؤثر و مفید بھی۔ چند ہی دنوں میں ہر طالب علم موصوف کی علمی استعداد اور مہارت کا معترف ہو جاتا اور ایسے انمٹ نقوش دلوں پر مرتسم ہو جاتے جن کی ضوفشانی علمی منازل طے کرنے کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی فنون کی بیشتر کتابیں حفظ تھیں۔ طلبا پر محنت کرنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔

احقر پیچمدان اساتذہ میں سے تین شیوخ سے بیحد متاثر ہوا۔ فنون میں مولانا احمد الدین مذکور، قرآنی علوم و معارف میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور علوم حدیث میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن چارسدہ۔

شیخ القرآن قرآنی علوم کے بحرِ ذخار تھے۔ علمی دقائق اور تفسیری حقائق کے نادر الوجود موتی بکھیرتے تھے۔ جابجا نحویین اور مناطقہ کی مباحث اپنی تابانی سے طلبا کی آنکھوں کو خیرہ کرتیں۔ فنون کی کتابیں مستحضر تھیں۔ منطق کی مغلق اور لاینحل عبارات نوکِ زباں پر تھیں۔ معقول و منقول پر یکساں عبور حاصل تھا۔

قرآنی علوم میں گہرا شغف اور جذبہ تحقیق سے سرشار تھے۔ بے شمار آیات کی تشریح و توضیح میں مقتدر مفسرین کی پوری پوری عبارات یاد تھیں۔ سب سے بنیادی اور مرکزی مسئلہ توحیدِ خداوند قدوس کا ہے۔ اسی مسئلہ کی اشاعت و ترویج شیخ القرآن کا مطمع نظر تھا۔ اس مرد قلندر نے جس دور میں توحید و سنت کی آواز بلند کی، سارا ملک ظلمت کدہ شرک بنا ہوا تھا۔ لیکن گلشنِ توحید کے اس "عندلیب" نے جان کی بازی لگا کر گلشن کی آبیاری کا حق ادا کر دیا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن چارسدہ سے صحیح بخاری، جامع ترمذی اور مؤطا امام مالک پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ موصوف کی تقریر اس قدر جامع مانع اور بسیط ہوتی کہ ہر ممکنہ اعتراض کا جواب بغیر کسی ردو قدح کے حل ہو جاتا اور تشنگی کا شائبہ تک باقی نہ رہتا۔ مسالک اربعہ کے دلائل بیان کر کے ان کے موزوں جواب دیتے اور پھر مسلکِ احناف کی برتری پر دلائل کے انبار لگا دیتے تھے۔ جب کہ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی اور خصوصاً طحاوی کے اساتذہ اعتراض کرنا کسرِ شان خیال فرماتے تھے۔

احقر بزرگانِ دین کی مجلس و صحبت کا شرف حاصل کرنے سے محرومی کا شکار رہا۔ تاہم تین شخصیات کے تابناک کردار سے بے حد متاثر ہوا۔ عقائد و اعمال کی پرشکوہ عمارت میں "بنیان مرصوص" کی حیثیت کے

حامل ہیں۔ ان کی اصلاح کا سہرا شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کے سر سجتا ہے جن کی شبانہ روز کی محنت شاقہ مسلم قوم کے عقائد کی اصلاح کے لئے وقف تھی۔ وہ قوم کے مشرکانہ عقائد پر خون کے آنسو روتے اور ان کی اصلاح کی فکر مرتے دم تک دامن گیر رہی۔ موصوف کی انتھک جدوجہد سے توحید کی ایمان افروز ضیا نصیب ہوئی جو تا حال ہر لحظہ رو بہ ترقی ہے۔

حسن عقائد کی طرح حسن اعمال بھی نجات اخروی کے لئے لازم ہیں۔ "اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت" اسی حقیقت کی غمازی کر رہی ہے۔ قاضی مظہر حسین خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی برد اللہ مضجعہ علم و عمل کے پیکر، اتباع سنت کے خوگر اور طلباء کی حرکات و سکنات کو سنت کے قالب میں ڈھالنے کے لئے ہر وقت فکر مند رہتے۔ موصوف کی خدمت میں طالب علم کی حیثیت سے دو سال قیام رہا۔ ان کی حسن تربیت سے عقائد کی شدت میں جو ہر اعتدال میں نکھار آیا۔ اصلاح اعمال کا احساس نصیب ہوا۔ خاندان میں حسن عقائد کے باوصف رسومات و بدعات سے اجتناب کا فقدان تھا۔ بحمد اللہ تعالیٰ والد گرامی قدر سمیت سارے خاندان کو رسومات و بدعات سے کلی اجتناب کی سعادت میسر آئی۔

قطب عالم، مفسر قرآن سیدی و مرشدی حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے سے "اللہ والوں" کی گرد راہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ موصوف کی نظر کیمیا اثر نے "راہ احسان" کا راہ رو بنا دیا۔ شومئی قسمت کہ اس بحر بیکراں سے حصہ وافر حاصل نہ کر سکا۔ اس چشمۂ صافی سے لاتعداد روحانی مریض شفا کی لازوال نعمت سے مالا مال ہوئے۔ موصوف کی سیرت و کردار مردم خیز اور قول و گفتار جادو اثر تھا۔ جن کا مطمع نظر حصول رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن کی بے لوث دینی خدمات نصف صدی پر محیط تھیں۔ لیکن دنیا سے بے نیازی کا یہ عالم تھا۔ اکثر فرماتے تھے۔ "میں نے کبھی کسی سے ایک پیسہ تک نہیں لیا" یہ شان استغنا، اور الفقر فخری کا عملی مظاہرہ کہ زندگی بھر رہائش کے لئے مکان تک نہ بنایا۔ بایں ہمہ اللہ جل جلالہ اور اس کے پیارے حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجذوبانہ اور عاشقانہ تعلق کی یہ کیفیت کہ چودہ مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ میں نے زندگی میں ان اوصاف کا حامل کوئی مرد قلندر نہیں دیکھا۔

سیدی و مرشدی کا ورع و تقویٰ نادر الوجود اور قابل رشک تھا۔ اکل حلال کا اہتمام ناقابل یقین حد تک تھا۔ حتیٰ کہ مشتبہ چیزوں سے کامل اجتناب تھا۔ بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا ہرگز نہ کھاتے تھے۔
موصوف فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ بمبئی سے کچھ احباب نے خط لکھا کہ ہم اللہ اللہ سیکھنا چاہتے ہیں ہمارے ساتھ مستورات اور بچے بھی ہیں۔ اس لئے ہم لاہور نہیں آسکتے۔ اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو ہم آپ کی

خدمت بھی کریں گے۔ اور بیعت بھی ہوں گے۔

میں نے جواب میں لکھا کہ آجاؤں گا مگر تین شرطیں ہیں۔ کسی کے گھر سے کھانا نہیں کھاؤں گا۔ آنے جانے کا کرایہ نہیں لوں گا اور نہ ہی ہدیہ وصول کروں گا۔

ان لوگوں نے کہا یہ شرطیں ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہیں۔ میں نے کہا اگر تمہیں منظور نہیں تو مجھے بھی منظور نہیں۔ بہرحال خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر وہ ہار گئے اور میں جیت گیا۔

چلتے وقت میں نے گھر سے چھ سات میٹھی روٹیاں پکوالیں۔ اور بمبئی روانہ ہو گیا۔ چند یوم بعد میں بند کمرے میں بیٹھا میٹھی روٹی جو سوکھ چکی تھی مکا مار کر توڑ رہا تھا کہ میزبان کی اہلیہ نے دروازہ کے سوراخ سے دیکھ لیا۔ اس نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے کہا آجاؤ۔ وہ کہنے لگی حضرت ہم پر اللہ کی بڑی مہربانی ہے روزانہ زردہ، پلاؤ اور مرغن غذائیں کھاتے ہیں۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں ضعیف بھی ہیں اور اتنی دور سے آئے ہیں اور آپ سوکھی روٹی کھا رہے ہیں ہمیں سخت شرم آتی ہے اور زار و قطار رو رہی تھی۔

میں نے کہا بیٹی! یہی تو شرط تھی کہ کسی کے گھر سے کھانا نہیں کھاؤں گا۔ وہ کہنے لگی ہمارے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ آپ خشک روٹی کھائیں۔ آپ اجازت دیں تو کھانا پیش کروں۔ اس کی گریہ زاری کے باعث میں نے کہا جو کھانا پکا ہوا ہے لے آؤ۔ اگر وہ کھانے کے قابل ہوا تو کھالوں گا ورنہ نہیں۔ وہ بے حد خوش ہوئی اور تھوڑی دیر بعد چند کھانے ٹرے میں رکھ کر دستر خوان اور پرڈال کر لے آئی اور میرے سامنے رکھ دیا میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا اور کہا یہ میرے کھانے کے قابل نہیں ہے، اسے لے جاؤ۔ وہ سخت پریشان ہوئی اور مجبوراً اٹھا کر لے گئی۔

حضرت فرماتے تھے اسی قیام کے دوران کسی نے بتایا کہ یہاں کوئی مجذوب بلند پایہ رہتے ہیں۔ میں نے کہا ان سے ملاقات کرا دیں۔ وہ آدمی مجھے ساتھ لے گیا۔ ان کے مکان پر پہنچا تو ان کا خادم مکان کے باہر بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا حضرت تشریف فرما ہیں۔ اس نے کہا جی ہاں۔ میں نے کہا حضرت سے کہو کہ احمد علی آیا ہے اور ملنا چاہتا ہے۔ وہ اندر چلا گیا اور واپس آکر کہا اجازت ہے اندر آجائیں۔ میں اندر گیا وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پاؤں سے لے کر سر تک مجھے ایک نظر دیکھا۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ میں انسان بھی ہوں یا نہیں۔ پھر فرمایا احمد علی بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ وہ اٹھے طاقچہ سے ایک ٹین کا ڈبہ اٹھا لائے۔ اور میرے آگے رکھ دیا۔ اس میں جلیبی تھی۔ اور فرمایا احمد علی کھاؤ۔ میں نے کہا حضرت آپ بھی کھائیں۔

بمبئی کے ہفت روزہ قیام کے دوران اس جلیبی کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھائی۔ مسجد سے پانی پی لیتا تھا اور وہی خشک روٹی کھا لیتا تھا۔

شیخ سعدی نے ایسے ہی مردانِ باصفا کے متعلق فرمایا تھا ؎

بنانِ خشک قناعت کنیم و جامۂ دلق کہ رنجِ محنت خود بہ کہ بارِ منتِ خلق

نہ باشتر بر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

غم موجود و پریشانی معدوم ندارم نفسے میزنم آسودہ عمرے میگذرم

محدث جلیل علامہ خلیل احمد سہارنپوری کے متعلق مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں :۔

آپ کی تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی۔ صاف اور عام فہم لفظوں میں عبارت کا ترجمہ کرتے اور مطلب سمجھاتے اور آواز زیادہ اونچی نہ تھی مگر پھر بھی ۵۰، ۶۰ طلبہ کے دائرہ تک باسانی پہنچتی تھی بمفہوم عبارت سمجھانے کے بعد آپ طلبہ کو شبہ اور اعتراض کا موقع دیتے اور پھر مسکرا کر اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ بات کرنے میں آپ کے دہن سے پھول جھڑتے اور تقریر گویا موتیوں کی لڑی ہوتی تھی۔ آخیر زمانۂ عمر میں آپ کی آواز مرتعش ہوگئی تھی۔ مگر تسلسل و حلاوت وہی تھی جو جوانی کے زمانہ میں تھی۔ بڑے درجہ کی پندرہ سولہ ضخیم کتابوں کا ختم سال سے قبل کرا دینا آپ کے لئے معمولی بات تھی اور کامل چھ سات گھنٹے درس دینا اور دماغ و زبان سے کام لئے جانا آپ کی عادت بن گئی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنونِ عقلیہ کی مہارت تامہ اس نو عمری میں مسلم و مشہور ہونے کے ساتھ علماءِ عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی —— عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف لکھتے۔ مگر یوں فرمایا کرتے تھے کہ تمام ادب میں استادوں سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۹ مقالے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاد نے کہہ دیا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستہ میں پڑھ لیا کرو۔

فرماتے کہ میں نے حمد اللہ ۱۸ دن میں پڑھا کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا۔ اس لئے صبح ہی میں حمد اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا اور ۱۲ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا —— فرمایا سلم مجھے ازبر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو از اول تا آخر دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔ (تذکرۃ الخلیل ۱۹۶)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے متعلق حکیم الامت تھانوی لکھتے ہیں :۔

" عادت شریفہ تقریر کتاب میں یہ تھی کہ اکثر نفس مطالب پر اکتفا فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ کتاب کا جلدی نکلنا۔ کتاب سے طالب علم کو کامل مناسبت اور اس سے کامل استعداد ہو جاتا تھا۔ حسن و جاذبیت و وضاحت تقریر میں مولانا کا ثانی غالباً اب تک بھی ذہن میں نہیں ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء "

(آپ بیتی جلد ۶ صہ ۲۳)